

سید الطائفہ مولانا سید سلیمان ندوی کا نظریہ دعوت و تبلیغ

اسلام میں تبلیغ و دعوت کی جواہریت ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ امت مسلمہ ایک داعی امت ہے۔ جس کا آسمانی صحیفہ دعوت کے نعروں سے پرشور اور جس کے نبی رسل اللہ علیہ وسلم کا اسوہ سرا تبلیغ ہے۔ تاہم یہ دعوت و تبلیغ ایک خاص ترتیب اور اپنے حکیمانہ اصول و آداب رکھتی ہے۔ جس کے بغیر ہر کلمہ خیر شر کا باعث اور ہر تحریک عمل ضلالت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس لیے حضرت سید الملتہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مستشرقین کو اس پر ناز گھاٹی کے نشیب و فراز سے اور اس کی نزاکتوں سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ اور اس میدان میں اترنے سے پہلے بن اوصاف و محامد کی ضرورت ہے۔ ان کے پیدا کرنے کی پیہم تلقین تھی۔ تبلیغ و دعوت کے متعلق حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا خاص نظریہ تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سالکین بغیر اپنی اصلاح کے اس میدان میں کود پڑیں۔ حضرت شیخ کے نزدیک سالک کو پہلے اپنی فکر کرنی چاہیے۔ اس کے بعد دوسری طرف متوجہ ہو۔ ورنہ جو خود پاک نہیں وہ دوسروں کو پاک نہیں بنا سکتا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دعوت کی صحیح ترتیب یہ تھی کہ پہلے اپنی اصلاح کی فکر کی جائے اس کے بعد دوسروں کی یہ نہ ہو کہ اپنی اصلاح سے غفلت تام ہو۔ اور دوسروں کے غم میں گھلتا شروع کرے اس سے نہ دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے اور نہ اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ جو خود مجسم تاریکی ہو، وہ دوسروں کو کیا روشن کر سکتا ہے، دلوں کی زندگی اللہ کے فضل اور زندہ قلوب کی تاثیر سے میسر آتی ہے۔ مردہ دل کسی کی کیا سیمائی کریں گے۔ الفاظ کی رنگینی، زبان کی روانی اور قلم کی جولانی سے دلوں کی ہدایت نہیں ہوتی یہ نورِ خدادادِ عظیمہ الہی اور زندہ دل بزرگوں کی صحبت سے میسر آتا ہے۔ قلبی ہدایت کے بغیر منبر اور شیخ کی تقریروں یا کتب و رسائل کی تحریروں سے وقتی پوش و تاثر تو پیدا ہو سکتا ہے علم میں بھی ایک گونہ اضافہ اور ذہنی تسلی بھی ایک حد تک ہو سکتی ہے۔ لیکن روح و قلب کی دنیا شاذ ہی ان سے بدلتی ہے۔ آرام باغ کراچی میں ایک جلسہ منعقد ہونے والا تھا داعی جلسہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ جلسہ میں تشریف لے جاویں اور تقریر فرما دیں۔ تاکہ ہماری اصلاح ہو جائے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انتہائی یلغ جواب دیا۔ اصلاح آرام باغ میں نہیں، حجرہ میں ہوتی ہے۔ "میت ہے۔"

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
ایک طالب نے لکھا۔ ”دل کا تقاضا برابر ہی ہوتا ہے۔ کہ
دین کی خدمت کا کام مجھ سے بن جائے۔“ محقق شیخ نے
جواباً ارقام فرمایا۔

”دل کا تقاضا بجا ہے۔ لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ آپ دوسروں کی اصلاح کا کام کریں
اس سے ایک دعویٰ کی صورت نکلتی ہے۔ یعنی یہ کہ آپ خود کو اپنی اصلاح سے فارغ پاتے
ہیں۔ اور اپنے کو ہر نقص سے پاک اور کامل و مکمل سمجھتے ہیں۔ نوے فی صد لوگ اسی غلطی
میں مبتلا ہیں۔ اور اس لیے دوسروں کی اصلاح کے لیے تویے تاب ہیں۔ مگر اپنی اصلاح
سے فارغ ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ہمارے اندر کام کے آدمی پیدا نہیں ہوتے۔ اگر آپ
اپنے ہاتھوں سے ناپاک کپڑے کو پاک کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کا فرض ہے کہ پہلے آپ
اپنے ہاتھوں کو پاک کر لیں۔ اس لیے دوسروں کی فکر سے پہلے اپنی فکر کر لیجئے۔ اور اس
حکیمانہ فقرہ کا مطلب سمجھئے۔ ”اول خویش بعدہ درویش“ اس لیے میری نصیحت ہے کہ
دوسروں کی برائیوں اور عیبوں پر نظر ڈالتے سے پہلے خود اپنی برائیوں اور عیبوں پر نظر ڈالیں۔
پڑی اپنے عیبوں پہ جب نظر
توجہاں میں کوئی برائہ رہا
اب ذرا پرانے اور بیگانہ سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر اپنی ہی تاک میں آپ بیٹھیں اور
غور کیجئے کہ آپ میں کیا عیب ہے۔۔۔۔“

اسی طرح ایک دوسرے طالب نے لکھا۔ ”دراصل خلق کا خیال چھا جاتا ہے۔ اور اپنی طبیعت
کڑھتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اللہ اپنے دین کے پھیلاؤ کا ذریعہ اور سبب بنائیں۔“ سیدی قدس سرہ
نے لکھا۔ ”رجی ہاں اس اصلاح خلق سے مقصود پس پردہ اپنی اصلاح ہونی چاہیئے۔ ورنہ جو خود پاک نہیں رہے
دوسروں کو پاک نہیں بنا سکتا۔“
دوسرے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا۔

”دوسروں کے افادہ پر نظر رکھنے سے پہلے اگر اپنے استفادہ پر نظر نہ رہے، تو افادہ موثر بھی
نہیں ہوتا، اپنے نفس کا حق دوسروں کے حقوق سے اہم و اقدم ہے۔ و لنفسک علیک حقا۔
اس لیے پہلے اپنی ہی خواہی کیجئے، پھر دوسروں کی، استاد ہی تک پہنچنے سے پہلے استاد بننے
کی غلطی سے محفوظ رہیئے۔ آپ تبلیغی جماعت کے ساتھ کام تو کریں۔ مگر نظر اپنے اوپر ہو۔

اور اپنی درستئی کی نیت ہو۔

اسی طالب نے حضرت سیدی قدس سرہ کو لکھا کہ در اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب طبیعت اپنے کو چلا کر دوسروں کے فکروں میں سرگرداں نہیں رہتی۔ جواباً ارقام فرمایا۔

در بالفعل یہ کیفیت اچھی ہے۔ ایک وقت آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ جب ناکثر ان ثقفت

الذکری کی تعمیل ہوگی۔ مگر فطری ترتیب یوں ہی ہے کہ اول خویش بعدہ درویش۔

ایک طالب کو جو تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ حضرت دالارحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا

» اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی میں برکت دیں۔ اس تبلیغی سلسلہ میں صرف ایک احتیاطی تنبیہ کی

ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ غیر کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح پر نظر رہے۔ اور غیر کی اصلاح

کی فکر بھی اپنی اصلاح اور حصول اجر کی خاطر ہو۔ تفوق اور دینی بڑائی کا خیال بھی نہ آئے۔

ایک اور طالب نے لکھا در طبیعت چاہتی ہے کہ سوائے اپنی اصلاح کی فکر کے اور کوئی کام نہ کیا

جائے۔ اس وجہ سے تبلیغ میں بھی رکاوٹ ہوتی ہے۔ کیا یہ جذبہ صحیح ہے؟ حضرت شیخ نے رقم فرمایا۔ بے

شبہ اول خویش بعدہ درویش ہے۔ پہلے خود بنئے پھر دوسروں کو بنائے، یہ جذبہ صحیح ہے۔ دوسرے گرمی

ماہ میں تھوڑے فرمایا۔ در یہ جذبہ بالکل صحیح ہے۔ اگر ہمارے ہاتھ گندے ہوں۔ تو ان ہاتھوں سے ہم دوسروں

و پاک نہیں بنا سکتے۔

ایک طالب نے لکھا در طبیعت قوم کی خدمت اور کام کرنے کو چاہتی ہے۔ لیکن گھروالوں کی خدمت اور

می خدمت ایک دوسرے کی مٹانی معلوم ہوتی ہے! کسے ترجیح دی جائے؟ حضرت والا فرماتے ہیں۔

» قومی خدمت کیا چیز ہے؟ گھروالوں کی خدمت تو میں سمجھا۔ قومی خدمت تو کوئی چیز مجھے معلوم

نہیں ہوئی، ہاں دین کی خدمت اور مسلمانوں کی خدمت تو میں جانتا ہوں، مگر اس خدمت

کے لیے تیاری کی ضرورت ہے، جو ابھی آپ کو حاصل نہیں، ابھی آپ اپنی خدمت کیجئے۔

اس زمانے میں یہ مرض عام ہے کہ مسلمان عموماً اپنی اصلاح کی فکر سے بے نیاز رہ کر ملت کی

یوں حالی اور تباہی کا رونا روتے ہیں۔ گو کچھ لوگوں کا جذبہ حسن نیت پر مبنی ہوتا ہے۔ مگر مرض کا ازالہ مرثیہ

رائی اور کتب افسوس ملنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا صحیح علاج پہلے اپنی اس کے بعد دوسروں کی اصلاح ہے

محمد داؤد جان مرحوم ایک صالح اور ملت کا درد رکھنے والے مسلمان تھے۔ انہوں نے حضرت الملتہ

بتم اللہ تعالیٰ کو ملت کی زبوں حالی کی پر اثر داستان لکھ بھیجی، اس کا جو جواب حضرت شیخ نے مرحمت فرمایا۔

ہ ملت کی اصلاح کا درد رکھنے والے ہر سچے مسلمان کے لیے سرمہ بصیرت ہے۔ پورا خط درج ذیل ہے۔

اِنَّهُ مِنْ مُّسْلِمِيْنَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مکتبہ دہلی - وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اور آپ کے مذہبی دلولوں کی بڑی قدر
اور اللہ تعالیٰ آپ کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھ کر اپنی اصلاح اور تزکیہ کی بیش از بیش توفیق
عزیزتہ فرمادیں۔

آپ کا کہنا سب صحیح ہے۔ لیکن اصلاح کی تدبیر کیا ہے۔ وہ لوگوں پر یا مسلمانوں پر ماتم نہیں
ہے۔ بلکہ سب سے پہلے خود اپنی حالت پر ماتم ہے۔ اور جب اپنی اصلاح سے فراغت ہو جائے
تو دوسروں کی فکر ہو۔ صرف دوسروں کی فکر صرف زبان سے کرنا اور اپنے سے غافل رہنا لیڈرانہ
شان ہے۔ میری مخلصانہ خواہش ہے۔ کہ ہم لوگ سب سے پہلے اپنے اپنے احوال پر نظر کریں۔
اپنی صحت روحانی و اخلاقی و دینی کی فکر کریں۔ اس کے ساتھ اپنے اہل و عیال اور اپنے خاندان کی
خبر گیری کریں۔ اور ان کی اصلاح کی فکر میں لگیں۔ انشاء اللہ اگر ہم اس طرف متوجہ ہوں گے۔ تو
سارے مسلمانوں کی حالت بدل جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کے ہم مستحق ہوں گے۔
کیا آپ اس نکتہ پر غور فرمائیں گے۔

والسلام سید سلیمان ۲ مئی ۱۹۵۱ء

اسی طرح ایک دوسرے طالب کو ارقام فرمایا۔

”بے شبہ امت مرحومہ کی پریشان حالی اور پراگندگی کی کیفیت آپ کو متاثر کرتی ہوگی، مگر غور کیجئے کہ
اس کا علاج آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جب آپ کی استطاعت سے وہ چیز خارج ہے۔ تو اس کی فکر میں پڑ کر
اپنا وقت آپ کیوں ضائع کرتے ہیں۔ یہ تو لیڈرانہ قسم کا ایک مرض ہے۔ آپ کو اختیار اپنے اوپر اور اپنے اہل و
عیال اور تبعین کے اوپر ہے۔ آپ اپنی اور ان کی اصلاح کی فکر فرمائیں۔ کہ یہ آپ کی استطاعت میں ہے۔
آپ کی شدتِ احساس سے متاثر ہوا، خدا کرے کہ یہ احساس صبح موقع پر صرف ہو۔“
اس کی مزید تشریح دوسرے مکتوب گراہی میں اس طرح فرمائی ہے۔

”میرا مقصد یہ تھا کہ انسان کو پہلے اپنی پاکی کی کوشش چاہیے، اس کے بعد دوسرے کی فکر چاہیے۔ ایسا
نہ ہو کہ موجودہ سیاسی لیڈروں کی طرح دوسروں کی فکر تو ہو۔ مگر خود اپنی فکر سے غفلت تام ہو۔ اس سے
نہ اپنا ہی بسلا ہوتا ہے۔ نہ دوسروں کا۔“

اسی قسم کی ایک اور تحریر کے جواب میں ارقام فرمایا۔

”آپ کا خط پا کر بہت خوشی ہوئی، کہ آپ کے دل میں دین کا درد ہے جو اس زمانے کے مسلمان نوجوانوں میں کم ہے۔ آپ نے جو تجویز سوچی ہے وہ سروسٹ ناممکن العمل ہے۔ آپ ماشاء اللہ ابھی نوجوان ہیں۔ خیالات کی وسعت میں سیرکناں ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ دوسروں کو چھوڑ کر پہلے خود اپنی اصلاح کی فکر کریں، آپ ماشاء اللہ سعادتمند ہیں۔

شنوائیں پندار حافظ کہ ازجاں دوست تروازند جو انان سعادت مند پندیر دانا را
حضرت والاؒ کو ایک طالب نے تحریر کیا کہ ”اللہ تعالیٰ مجھے دین کی خدمت اور عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے طریقہ زندگی کی ترویج کا ذریعہ بنائے“ حضرت سیدیؒ نے جواب تحریر فرمایا۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے یہ کام لیں۔ اور آپ کو پہلے اپنا بنائیں اور پھر دین کی خدمت کا ذریعہ آپ کو بنائیں اور بتائیں۔

اس مختصر دعا میں صحیح دینی دعوت کا خلاصہ ہے کہ دعوت کی پہلی شرط اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کا قرب و تعلق ہے جو اصلاح ظاہر و باطن کا حاصل اور طاعت الہی اتباع نبوی اور ذکر غالب کا ثمرہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا تعلق ہے جو داعیان حق کی ہر حالت میں دستگیری و رہنمائی کرتا ہے۔ عالم میں ہدایت کے ان چراغوں کی روشنی اسی تعلق سے عبارت ہوتی ہے۔ یہ تعلق جتنا قوی ہوگا۔ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا پرتو اس داعی کے ذریعہ منعکس ہو کر دلوں اور ردحوں کو ہدایت کے نور سے معمور کرتا ہے گا۔

تعلق مع اللہ کے ساتھ دین کی خدمت کا طریقہ بھی عند اللہ صحیح ہونا ضروری ہے ورنہ انسان بعض اوقات اپنے زعم میں ایک کام دینی خدمت سمجھ کر کرتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ دین کو نقصان پہنچا دیتا ہے اس لیے دعوت کا اعلیٰ منہاج النبوة ہونا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کے دو مخلص خادم حاضر ہوئے اور دعوت پر گفتگو شروع ہوئی۔ ہمارے سید صاحبؒ نے فرمایا۔ مولانا الیاس تو مامورین اللہ تھے، ورنہ کہاں بنگلہ والی سبداور کہاں اللہ تعالیٰ کا حرم اور بدر کا میدان“ اشارہ تبلیغی کام کے ان مقامات تک پہنچنے کی طرف تھا، ان حضرات میں سے ایک صاحب رخصت می محمد شفیع قریشی نے عرض کیا مولانا الیاس فرماتے تھے کہ۔ ”یہ کام تو ہمیں نظر آ رہا ہے۔ کہ ہو کر ہے گا، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اصولوں کے مطابق ہو۔“ فرمایا ”جی ہاں“ اصولوں کی پابندی ضروری ہے، ”پھر فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔“ مولانا الیاس کی سوانح کا مقدمہ جو میں نے لکھا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے“ میں نے اثبات میں جواب دیا۔“ فرمایا۔ اس کی شرح لکھ سکتے ہو، مقدمہ کو مختصر ہے لیکن قرآن و حدیث سے مطابقت دے کر اس کو بڑھایا جاسکتا ہے۔“ اس واقعہ کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت والاؒ تبلیغی دعوت کا دینی اصولوں کے مطابق

ہونا نہانت ضروری سمجھتے تھے۔ ورنہ وہ سراسر فتنہ بن سکتی ہے۔ ایک مرتبہ راقم سے فرمایا۔ لوگوں کو سختی سے دین کی طرف نہیں بلانا چاہیے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا منشاء شفقت تھی، لوگوں کو اپنی ہمدردی کا یقین دلایئے، پھر پیار سے دین کی طرف بلائیئے۔

تو برائے وصل کردن آدمی نے برائے فصل کردن آدمی

ایک صاحب کو جنہوں نے اپنے متعلق جرأت حق کی کمی اور مہانت کا اندیشہ ظاہر کیا تھا، ارقام فرمایا در جرأت حق نام حق کو خوبی اور نرمی کے ساتھ ظاہر کر دینا ہے۔ سختی اور سخت کلامی کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ تو کام کو اور خراب کر دیتی ہے۔ ”اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ (رمل - ۱۶)

ایک دوسرے گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں۔

”حق گوئی ہو مگر اس طرح کہ کسی کی دل آزادی نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام دیکھیں تو اس موقع پر حق گوئی مفید ہے۔ جب لوگ آپ کی بات سننے کو آمادہ ہوں۔ ورنہ قلب سے اس کو برا سمجھیں۔“

اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ حضرت والارحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے متوسلین کو دعوت و تبلیغ سے منع فرماتے تھے، بلکہ حضرت کا یہ منشاء تھا کہ دعوت سے پہلے اپنی اصلاح ہو اور دعوت صحیح اصولوں کے مطابق ہو۔ ورنہ دعوت و تبلیغ کا جو جذبہ حضرت والارحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تھا، اس کی مثالیں کم ملیں گی۔ ایک مرتبہ نہایت درد سے فرمایا۔

”آج سب دعوتیں موجود ہیں، لیکن دین کی دعوت رجسی ہونی چاہیے (موجود نہیں تمام نظام و مجلسیں دعوت کے زور سے قائم ہیں۔ سوشلزم ہو یا جمہوریت، لیگ ہو کانگریس ہر چیز دعوت سے قائم ہے، یہ اسلام کی کرامت ہے۔ کہ اندر باہر سے اس قدر مارا اور زد پڑنے کے باوجود کچھ لوگ اب بھی اسلام پر قائم ہیں۔ اخبارات ہوں یا ریڈیو، سینما ہوں کہ مخالفین کے پروپیگنڈے ہر چیز مخالف جارہی ہے۔ اسلام کے نام پر اسلام کو زک پہنچائی جارہی ہے۔ اسلام کو سب آواز دیتے ہیں، مگر اسلام کی آواز پر کوئی نہیں جاتا۔“

سیرۃ النبی (۵۰۰) میں ”جہاد بالعلم“ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

”جہاد کی ایک اور قسم جہاد بالعلم ہے۔ دنیا کا شر و فساد جہالت کا نتیجہ ہے۔ اس کا دور کرنا حق طلب کے لیے ضروری ہے۔ ایک انسان کے پاس اگر عقل و معرفت اور علم و دانش کی روشنی ہے۔ تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس سے دوسرے تاریک دلوں کو فائدہ پہنچائے۔ تلوار کی دلیل سے قلب میں وہ طمانیت